

علامہ اقبالؒ اور علوم و فنون کی اسلامی منہاج

ڈاکٹر محمد ریاض

دین اسلام ایک لاینفک وحدت کا مظہر ہے۔ اس کی رو سے مذہب و سیاست اور روح و مادہ وغیرہم کی مغائرت عبث ہے۔ مگر عالم مغرب کئی صدیوں سے اس مغائرت کو برت رہا ہے اور اس کے نتیجے میں علوم و فنون کی ترقی نے کئی انسان کش کام کئے اور منجملہ دیگر امور بیسویں صدی کی دو عالمی جنگیں اس لحاظ سے قابل عبرت و حوالہ ہیں۔ ایسی تباہ کاریوں نے سائنسی علوم کو ”علم غیر نافع“ بنا کر رکھ دیا اور بنی نوع انسان سے ہمدردی رکھنے والے حساس لوگ سرشت انسانی کی دھائی دینے لگے کہ :

انسان کہ رخ ز غازی تہذیب برفروخت

خاک سیاہ خویش چو آئینہ وانمود

پوشید پنجه را تہ دستا نہ حریر

افسونی قلم شد وتیغ از کمر گشود

این بوالہوس صنمکدہ صلح عام (۱) ، ساخت

رقصید گرد او بنو اہائے چنگ و عود

دیدم چو جنگ پردہ ناموس او درید

جز ”یسفک الدماء“ ”خصیم مبین“ نبود (۲)

علامہ اقبال نے ”تہذیب“ کے عنوان سے منقولہ بالا قطعہ شاید ۱۹۲۲ء میں لکھا ہو (پیام مشرق) کیونکہ یہ نظموں اور قطعوں کے آخر میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال پر پہلی جنگ عظیم کے عمیق اثرات پڑے اور ایسا نہ ہونا عجیب ہوتا کیونکہ وہ ”دیدۂ بینائے قوم“ ہی نہ تھے، پوری انسانی برادری کے دکھ درد سے متاثر ہو کر راتوں کو آہ و زاری کرنے والے بھی تھے :

قوم گویا جسم ہے، افراد ہیں اعضائے قوم
منزل صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم
محفل نظم حکومت، چہرۂ زیبائے قوم
شاعر رنگیں نوا ہے، دیدۂ بینائے قوم
مبتلائے درد کوئی عضو ہو، روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ (۳)

بہر انسان چشم من شبہا گریست

تا دریدم پردۂ اسرار زیست (۴)
اقبال کے دیدۂ با بصیرت نے دوسری عالمی جنگ کے دھندلکے بھی دیکھ لئے تھے۔ فرماتے ہیں :

خبر ملی ہے خدایان بحر و بر سے مجھے
فرنگ رہگذر سیل بر پناہ میں ہے
شفق نہیں مغربی افق پر یہ جوئے خون ہے یہ جوئے خون ہے
طلوع فردا کا منتظر رہ کہ دوش و امروز ہے فسانہ (۵)
علامہ مرحوم کا تاثر یہ تھا کہ زندگی کا مادی نقطۂ نظر اور
سیکولر علوم و فنون ان تباہ کاریوں کو جنم دے رہے تھے لہذا پہلی

عالمی جنگ کے بعد کی ان کی کئی کتابوں میں اس صورت حال سے
بیزاری نظر آتی ہے۔ مثلاً جاوید نامہ کے آخر میں وہ نئی نسل سے
فرماتے ہیں :

عقلہا بی باک و دلہا بی گذار
چشمہا بی شرم و غرق اندر مجاز
علم و فن ، دین و سیاست ، عقل و دل
زوج زوج اندر طواف آب و گل
علم تا سوزی نگیرد از حیات

دل نگیرد لذتی از واردات

ایک ترک مفکر محمد سعید حلیم پاشا (۱۸۶۳ - ۱۹۲۱ء) کے
ایک کتابچے ” اسلام لشمق “ (اسلامیان) اور ایک مقالے ” مسلم
معاشرے کی اصلاح “ نے علامہ اقبال کو بے حد متاثر کیا تھا۔ ” اسلام
لشمق “ ۱۹۱۸ء میں استنبول کے رسالہ سیل الرشاد میں شائع ہوئی
اور مقالہ سہ ماہی ” اسلامک کلچر “ کی پہلی اشاعت (جنوری
۱۹۲۷ء) میں شامل تھا۔ اس کتابچے اور مقالے کی تاثرات اقبال کے
ہاں ، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ، (خطبہ ششم) اور ” جاوید نامہ “
(فلک عطارد) میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ پاشائے موصوف اقبال
کے ارشد معاصر (۶) تھے جنہوں نے ” علم کے اسلامیان “ (۷) کی بات
کہی تھی۔ وہ مغربی علم و دانش کے سیکولر یا لادین بنانے کی روش
کے مقابل ” اسلامیان “ کو اصطلاح لائے ہیں جن سے ان کا مدعا یہ
تھا کہ دینی و روحانی نقطہ نظر ، توحید ، وحدت انسانی ، عظمت آدم
رواداری اور عالمی اخوت کا دور دورہ ہو اور ملحدانہ روش کافور
ہو جائے۔ جیسا کہ محمد مارما ڈیوک پکنتھال مرحوم ۱۹۳۶ء نے تبصرہ

کرتے ہوئے لکھا تھا ، پاشائے موصوف کے نزدیک ” اسلام لشق“ یعنی ملک و حکومت کو صحیح معنوں میں اسلامی بنانا ، (۸) تھا اور ظاہر ہے کہ علامہ اقبال کا اسلامی مملکت کا تصور یہی تھا ۔ اقبال اسی لئے علمی الحاد اور لا دینی نقطہ نظر یعنی دین یا دنیا کی تفریق کے بے حد خلاف تھے ۔ انہوں نے اپنے انگریزی خطبات اور منظوم کتابوں میں یورپ کے متاخر مفکرین اور مصنفین جیسے (۹) ڈارون ، فرائڈ (۱۰) اور کارل مارکس (۱۱) پر انتقادات لکھے اور مسلمانوں کو برملا تلقین کی کہ علوم و فنون کی اسلامی نہاد کا دامن مضبوطی سے پکڑیں ۔ زبور عجم (مثنوی بندگی نامہ) میں اقبال موجودہ علوم اور سائنس کی بڑی خرابی یہ بتاتے ہیں کہ اس میں شک وارتباب کی پرورش ہے اور یقین و ایمان کی نعمت ان کے ذریعے ہاتھ ہاتھ نہیں لگتی :

علم حاضر پیش آفل (۱۲) در سجود

شک بیفزود و یقین از دل ربود

بے یقین را لذت تحقیق نیست

بے یقین را قوت تخلیق نیست

بے یقین را رعشہ ہا اندر دل است

نقش نو آوردن او را مشکل است

از خودی دور است و رنجور است و بس

رہبر او ذوق جمہور است و بس

یعنی موجودہ زمانے کے علوم و فنون ، چھپ جانے والوں (باطل قوتوں) کے سامنے سجدہ ریز ہیں ۔ انہوں نے تشکک میں اضافہ کیا اور یقین کو دل سے چھین لیا ۔ بے یقین کو لذت تحقیق نصیب ہوتی ہے نہ قوت تخلیق ۔ بے یقین کا دل کانپ رہا ہوتا ہے ۔ اس کے لئے مشکل ہے کہ

تازہ اور جدید نقش رقم کرے۔ بے یقین خودی سے محروم ہے اور کئی اسقام کا حامل ہے۔ عوامی ذوق اس کا رہبر ہے اور بس۔
 اقبال کے نزدیک ایمان و یقین عظیم قوت ہے جو تحقیق و تخلیق کی بھی مدد و معاون ہوتی ہے۔ ملحدین اور منحرفین اس بات کو مانیں یا نہ مانیں مگر صاحبان ایمان اقبال کے تحقیقی و تخلیقی راہنمائی نامے کو ہمیشہ حرز حان بنائے رہیں گے۔ جاوید نامے میں ہے (فلک عطارد):

مصطفیٰ اندر حرا خلوت گزید

مدتے جز خویشتن کس را ندید

صاحب تحقیق را جلوت عزیز

صاحب تخلیق را خلوت عزیز

چشم موسیٰ خواست دیدار وجود

این همه از لذت تحقیق بود

لن ترانی نکته ها دارد دقیق

اند کے گم شودرین بحر عمیق

اقبال نے یہاں حضرت موسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تلمیحات پیش کر کے اپنے تخلیقی افکار کو مستند بنایا ہے۔ وہ علم یا تعلیم مطلق کے قائل (۱۳) نہ تھے۔ علوم و فنون اس خاطر مفید ہیں کہ وہ زندگی کو مفید تر بنائیں :

آگہی از علم و فن مقصود نیست

غنچہ و گل از چمن مقصود نیست

علم از سامان حفظ زندگی است

علم از اسباب تقویم خودی است

۱۲۰

علم و فن از بیش خیزان حیات

علم و فن از خانه زادان حیات (۱۴)

۲۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو اقبال کو حکومت افغانستان کو تعلیمی امور میں مشورہ دینے کی خاطر کابل پہنچنا تھا۔ اس سے دو دن قبل انہوں نے ایک بیان میں فرمایا کہ مسلم ممالک کو اپنی قومی ضروریات کے تحت تعلیمی پالیسیاں بنانا چاہیئے اور سیکولر یا لادین نظام تعلیم مسلمانوں کے لئے بالخصوص کبھی مفید نہیں ہوسکتے (۱۵) اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اقبال علوم و فنون کی اسلامی نہاد کے کس قدر قائل تھے :

جوہر میں ہو لا الہ تو کیا خوف

تعلیم ہو گو فرنگیانہ

شاخ گل پر چھک و لیکن

کر اپنی خودی میں آشیانہ

(جاوید سے : ضرب کلیم)

اس لئے بانگ درا میں ہمیں مولانا حالی شیخ سعدی سے یہ غمازی کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ :

جب پیر فلک نے ورق ایام کا الثا

آئی یہ صدا پاؤ گے تعلیم سے اعزاز

آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل

دنیا تو ملی ، طائر دیں کر گیا پرواز

دیں ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی

فطرت ہے جوانوں کی زمین گیر ، زمین تاز

مذہب سے ہم آہنگی افراد ہے باقی

دیں زخمہ ہے ، جمعیت ملتا ہے اگر ساز

بنیاد لرز جائے جو دیوار چمن کی

ظاہر ہے کہ انجام گلستان کا ہے آغاز

اقبال کا مدعا اسی قدر نہیں کہ نام نہاد مسلمان لادینی یا الحادی چنگل سے آزاد ہوں ، وہ ساری دنیا کے لئے بھی ایسی ہی آرزو رکھتے تھے ۔ مغرب نے الحاد و لادینیت کو گلے لگایا تو اقبال ۱۹۳۲ء میں پروفیسر خالد خلیل (استنبول یونیورسٹی) کو اس کے مضرات کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور دوسری عالمی جنگ کی برملا پیش گوئی کرتے ہیں :

”مذہب قوم میں ایک متوازن سیرت پیدا کرتا ہے جو حیات ملی کے مختلف پہلوؤں کے لئے بیش بہا ترین سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہے ۔ بحیثیت مجموعی یورپ نے اپنے باشندوں کی تعلیم و تربیت میں سے مذہب کا عنصر حذف کر دیا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کی بے لگام انسانیت کا کیا حشر ہوگا ۔ شاید ایک نئی جنگ کی صورت میں وہ اپنی ہلاکت کا باعث خود ہو “ (۱۶) -

خواجہ غلام السیدین مرحوم نے ” اقبال کا فلسفہ تعلیم “ (۷) میں اپنے نام اقبال کا ایک اردو خط مع ترجمہ نقل کیا ہے جس میں اقبال ، اپنے جاوید نامے کے حوالے سے ” علم کے اسلامیانے “ کا درس دیتے ہیں :

علم بر عشق است از طوغوتیان

علم باعشق است از لاهوتیان

بر محبت علم و حکمت مردہ

عقل تیرے برہدف ناخوردہ

کور رابینندہ از دیدار کن

بولہب را حیدر کرار کن

برے عشق ، یعنی ملحدانہ اور لادینانہ علم طاغوت کے مشابہ ہے یا
ابولہب کہے - اسے ”اسلامیانے“ اسے لاهوتی اور حیدر کراری بنانے
سے عبارت ہوگا - جاوید نامے میں ہی ہے :
دانش افزنگیاں غارت گری

دیرھا خیبر شد از برے حیدری

یعنی مغربی علم و سائنس لوٹ مار کے شبیہ ہے - حیدریت کے
فقدان نے مغربی علمی بت خانوں کو قلعہ خیبر کی طرح مستحکم بنا
دیا ہے اور :

اس زمانے میں کوئی حیدر کرار بھی ہے ؟

جاوید نامہ کے جو اشعار نقل ہوئے وہ فلک عطارد میں سے ہیں -
یہاں حکیم الامت نے ”پیام مشرق“ کو اپنے ایک شعر (۱۸) کی طرف
اشارہ کیا اور قرآنی تلمیح (۱۹) پیش کی ہے - یہاں علم یا سائنس کی
قوتوں کی توصیف ہے اور ملحدانہ اور لادینانہ مغربی علم و دانش سے
توحش بھی :

علم حرف وصوت را شہپر دھد

پاکتی گوھر بہ ناگوھر دھد

علم را بر اوج افلاک است رہ

تاز چشم مہر برکندد نگہ

نسخہ آو نسخہ تفسیر کل

بستہ تدبیر او تقدیر کل

۱۲۳

دشت را گوید حبابی ده ، دهد

بحر را گوید ، سراپی ده ، دهد

چشم او بر واردات کائنات

تایبند محکمت کائنات

دل اگر بندد بحق پیغمبری است

ورزحق بیگانه گردد کافری است

علم رایی سوز دل خوانی شراست

نور او تاریکی بحر و برست

عالمی از غاز او کوروکبود

فرو دینش برگ ریز هست و بود

بحر و دشت و کوهسار و باغ و راغ

از بم طیاره او داغ داغ

سینگ افرنگ را نارے ازوست

لذت شبخون و یلغارے ازوست

سیر و ازونی دهد ایام را

می برد سرمایہ اقوام را

قوتش ابلیس را یارے شود

نور ، نار از صحبت نارے شود

کشتن ابلیس کارے مشکل است

زانکه او گم اندر اعماق دل است

خوشر آن باشد مسلمانش کنی

کشته شمشیر فرآنش کنی

از جلال بی جمالے الامان

از فراق بی و صالے الامان

ترجمہ :

علم بات اور صدا کو شہر دیتا ہے۔ خرف اور سنگ ریزوں کو گوہر کی سی پاکیزگی دیتا ہے۔ اس کا راستہ بلندی افلاک تک ہے۔ یہاں تک کہ چشم آفتاب کی آنکھ (اشعہ) کو اسیر کر رہا ہے۔ اس کے مسودے میں کلیات کائنات کی تفسیر موجود ہے۔ اس کی تدبیر کے ساتھ سب کی تقدیر وابستہ ہے، دشت و ہوا کو کہتا ہے کہ پانی کا بلبلہ دو، وہ دے دیتے ہیں۔ سمندر کو کہتا ہے کہ، سراب دے، اسے دینا پڑتا ہے۔ علم کی آنکھ کائنات کی واردات اور کیفیات پر لگی ہوئی ہے تاکہ اس کی محکمت کو مشاہدہ کرتا رہے۔ علم اگر حسن سے دل لگائے تو یہ شان پیغمبری ہے۔ حق سے بیگانہ اور لاتعلق ہو جائے، تو یہ راہ کفر ہوگی۔ علم کو تو دل کے سوز کے بغیر پڑھے اور سیکھے، تو یہ شر ہے۔ ایسے علم کی روشنی سے بحر و بر پر تاریکیاں چھا جائیں گی۔ ایسے علم کے گیس اور دھویں سے ایک جہاں تیرہ و تار ہوگا۔ اس کی بہار عالم ہستی کی خزاں ہوگی۔ سمندر، صحرا، پہاڑ اور باغ و چمن ایسے علم کے جہازوں کی بمباری سے نالاں ہوں گے۔ ایسے ہی علم نے مغرب کے سینے میں آتش پال رکھی ہے۔ اسی علم نے مغرب والوں کی شبخونوں اور حملوں (جنگ جوئی) کو جنم دیا ہے۔ مغرب دنیا کو الٹی روش پر چلا رہا ہے اور اقوام و ملل کا سرمایہ حیات چھیننے جا رہا ہے۔ اس کی طاقت ابلیس کی دوستی نباہ رہی ہے۔ آتش (ابلیسیت) کی ہم نشینی سے نور نار ہو رہا ہے۔ ابلیس چونکہ دل کی گہرائیوں میں بیٹھا ہوا ہے، اس کا مارنا اور تلف کرنا مشکل کام ہے۔ بہتر ہو تو اس کو مسلمان بنا لے اور شمشیر قرآن سے اسے نیچا دکھائے۔ اس جلال سے خدا کی

پناہ جس میں جمال نہ ہو - اس فراق سے خدا کی پناہ جس میں
وصال نہ ہو -

مندرجہ بالا اشعار، جن کا آزاد ترجمہ نقل ہوا، علامہ اقبال کے
اس درد دل کے مظہر ہیں جو انہیں عالم انسانی کو بقا سے تھا اور
جسکی بنا پر وہ علوم و فنون کی اسلامی نہاد کے اس قدر طالب تھے -
اس کتاب میں، تجلی جمال ذات کی تلاش میں شاعر جب ”حضور“
میں آ پہنچتا ہے، تو وہ ”اس اسلامیانے ہوئے علم“ کی اہمیت
ایک بار پھر بتاتا ہے:

علم اگر کج فطرت و بدگو ہر است
پیش چشم ما حجاب اکبر است
علم را مقصود اگر باشد نظر
می شود ہم جادہ و ہم راہبر
می نہد پیش تو از قشر وجود
نا تو برسی چیست راز این نمود ؟
جادہ را ہمدار سازد این چنین
شوق را بیدار سازد این چنین
درد و داغ و تاب و تب بخشد ترا
گریہ ہائے نیم شب بخشد ترا
علم تفسیر جہاں رنگ و بو
دیدہ و دژ، پرورش گیرد ازو
بر مقام جذب و شوق آرد ترا
باز چون جبریلؑ بگذارد ترا

عشق کس را کرے بخلوت می برد

او ز چشم خویش غیرت می برد

اول او ہم رفیق وہم طریق

آخر او راہ رفتن بر رفیق

یعنی ”علم“ اگر کج رو اور بداصل ہو، تو وہ ہماری آنکھ کرے سامنے ایک عظیم پردہ بن جاتا ہے۔ لیکن اس کا مقصد وحدت نظر اور دید، ہو تو یہ راستہ بنتا ہے اور راہنما بھی۔ ایسا علم ہستی کو خول اور چھلکے سے نکال کر دکھاتا ہے تاکہ تو نمود کائنات کے راز پوچھنے لگے۔ ایسے ہی علم سے راہ زندگی ہموار ہوتی ہے اور شوق حیات پیدا ہوتا ہے۔ یہی علم تجھے درد و داغ، سوز و ساز اور آدھی رات کے وقت غم انسانی میں رونا سکھاتا ہے۔ علم اس جہاں رنگ و بو کی تفسیر کرتا اور دیدہ و دل کی پرورش کرتا ہے۔ تجھے جذب و شوق کے مقام پر لاتا ہے لیکن وہاں تیرا ساتھ۔ ایسے ہی چھوڑ دیتا ہے جیسے شب معراج حضرت جبرائیل، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہی کے مقام پر چھوڑ گئے تھے (کیونکہ آگے مقام عشق کو طے کر کے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضور ذات پہنچنا تھا)۔ عشق کسی کو خلوت میں کب لے جاتا ہے۔ وہ تیری آنکھ سے نقش غیر مٹا دیتا ہے۔ وہ آغاز سے ہی رفیق طریق رہتا ہے مگر آخر میں رفیق و دوست کے بغیر اپنی منزل تک جا پہنچتا ہے۔

لفظ ”عشق“ کے اقبال کے ہاں کئی معانی ہیں لیکن علمی اور تعلیمی سیاق میں یہ حضرت علامہ کے ہاں پسندیدہ علم و دانش کا مظہر بن جاتا ہے۔ اقبال نے علم اور عشق اور عقل اور عشق کے امتزاج کی

بات بیسیوں مرتبہ کی اور یہ بھی علم و فنون اور افکار و نظریات کو
اسلامی نہاد فراہم کرنے کی ایک صورت تھی :
علم در اندیشہ می گیرد مقام

عشق را کا شانہ قلب لاینام
علم تا از عشق بر خوردار نیست

جز تماشا خانہ افکار نیست
این تماشا خانہ سحر سامری است

علم بی روح القدس افسوں گری است
بی تجلی مرد دانا رہ نبرد

از لکد کوب خیال خویش مرد
بی تجلی زندگی مجبوری است

عقل مہجوری و دین مجبوری است
ایں جہان کوه و دشت و بحر و بر

ما نظر خواهیم و او گوید خبر
عشق شبخونہ زدن بر لامکان

گور را نادیدہ رفتن از جہاں
زور عشق از باد و خاک و آب نیست

قوتش از سختی اعصاب نیست
عشق بانان جویں خیبر کشاد

عشق در اندام مہ چاکے نہاد
کلمہ نمرود بی ضربے شکست

لشکر فرعون بی حربے شکست

۱۲۸

عشق درجاں چون بچشم اندر نظر

ہم درون خانہ ہم بیرون در

عشق ہم خاکستر وہم اخگر است

کاراواز دین و دانش برتر است (۲۰)

مثنوی ، پس چہ باید کرد ، میں اقبال الحاد آمیز اور لادینی علوم و فنون کو حکمت فرعونى ، کا ایک شعبہ قرار دیتے ہیں ۔ اس روش کی رو سے علوم و فنون اور خود شناسی کا دور کا تعلق بھی نہیں ۔ یہ طریق کار شب انسان کی سحر کیسے کرے گا (۲۱) بلکہ زندگی کی شب اس سے (۲۲) تاریک تر ہی رہے گی ۔ حکمتی از بند دین آزادہ

از مقام شوق دور افتادہ

می شود در علم و فن صاحب نظر

از وجود خود نگردد با خبر

شیوہ تہذیب نو آدم دری است

پردہ آدم دری سوداگری است

این بنوک ، این فکر چالاک یہود

نور حق از سینہ آدم ربود

تا تہ و بالا نگردد این نظام

دانش و تہذیب و دین ، سودائے خام

اس مثنوی کے جس عنوان پر کتاب کا یہ نام پڑا (پس چہ باید کرد اے اقوام شرق) وہ زیر نظر موضوع کے اعتبار سے بے حد اہم ہے ۔ اقبال یہاں اقوام مشرق اور ایشیائی سے مخاطب ہیں جن میں مسلمانوں کی تعداد قابل توجہ ہے ۔ وہ یہاں مشرقی اقوام کو صنعتی

اور علمی اعتبار سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا مشورہ دیتے ہیں اور مغرب اور مغربیت کے خلاف ایک ہمہ گیر جہاد کی تلقین کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مشرق ایک عظیم اور قابل رشک خطہ زمین تھا مگر مغربی اقوام نے ساری دنیا کی طرح اسے بھی تاراج کر رکھا ہے اقوام ایشیائی کو چاہیے کہ وہ مغرب کے حقیقی چہرے کو تاکیں اور اپنے اتحاد قوت کے ذریعے اس سے دست کش اور بے نیاز ہوں۔

اے اسیر رنگ ، پاک از رنگ شو

مومن خود کافر افرنگ شو

رشتہ سود و زیاں دردست تست

آبروئے خاوراں دردست تست

ایں کہن اقوام را شیرازہ بند

رایت صدق و صفا را کن بلند

اہل حق را زندگی از قوت است

قوت ہر ملت از جمیعت است

رائے بے قوت ہمہ فکر و فسوں

قوت بے رائے جہل است وجنوں

دانی از افرنگ و از کار فرنگ

تا کجا درقید زنار فرنگ ؟

زخم ازو ، نشتر ازو ، سوزن ازو

ما وجوئے خون و امید رفو

اقبال اس وقت اٹلی کے ایتھوپیا پر حملے سے بے حد غم ناک تھے

اور مذکورہ عنوان کا آغاز اس طرح کرتے ہیں :

۱۳۰

آدمیت زار نالید از فرنگ

زندگی هنگامہ برجید از فرنگ

پس چہ باید کرد اے اقوام شرق ؟

باز روشن می شود ایام شرق

در ضمیرش انقلاب آمد پدید

شب گذشت و آفتاب آمد پدید

یورپ از شمشیر خود بسمل فتاد

زیر گردوں رسم لادینی نہاد

گر گئے اندر پوستین برہ

ہر زمان اندر کمین برہ

مشکلات حضرت انسان ازوست

آدمیت را غم پنہاں ازوست

درنگاہش آمی آب و گل است

کاروان زندگی بر منزل است

آخری شعر دراصل بعد کے بند کی گریز کا حکم رکھتا ہے۔ اقبال مغرب کے جنگ جویانہ جوش جنون کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ وہاں کے علوم و فنون ملحدانہ ، لادینانہ اور برے مقصد ہیں۔ علم و تعلیم کی برے مقصدیت اقوام مغرب کا ایک بڑا المیہ تھا اور ہے۔ علامہ اقبال اس لئے بعد کے معنی خیز بند میں علوم و فنون میں مشرقت کی روح پھونکنے کی تاکید کرتے ہیں اور روح شرق دمیدن اور اسلامیانے میں زیادہ بعد نہیں ہے :

جو کچھ تو دیکھتا ہے ، حق کے انوار اور جلوے ہیں ۔ حکمت اشیاء یا سائنس حق کے اسرار ہیں ۔ جو ان آیات خدا کو دیکھے ، وہ

مرد حرجے۔ اس مشاہداتی حکمت (سائنس) کا مطالعہ قرآن مجید کے احکام میں شامل ہے۔ سائنسی علوم و فنون سے بندہ مومن مسرور خاطر ہوتا ہے اور دوسرے انسانوں سے زیادہ دلچسپی دکھاتا ہے۔ علم جب اس کے وجود کو منور کرے تو اس کا دل زیادہ خشیت الہی کا حامل بنتا ہے۔ سائنسی علوم ہمارے وجود کے لئے اکسیر ہیں مگر افسوس مغرب میں ان کی تاثیر دوسری ہے۔ مغربی انسان کی عقل و فکر، خوب و زشت کے معیاروں سے بے نیاز ہے۔ اس کی آنکھ بے نم ہے اور دل پتھر اینٹ کی طرح کا۔ سائنس اور علم شہر و دشت میں اس کے ہاتھوں رسوا ہیں۔ جبرئیل علم کو اس کی صحبت نے ابلیس بنا دیا ہے۔ مغربی علوم شمشیر کندھے پر اٹھائے نوع انسانی کی ہلاکت و نابودی کے لئے سخت کوشاں نظر آتے ہیں۔ اس خیر و شر کے جہان میں علم و فن کی مستی کو سہارنا کم ظرفوں کا کام نہیں مغرب والوں، ان کے آئین اور اس کے لادینی سے مملو افکار سے اللہ کی پناہ۔ انہوں نے علم حق (سائنس) کو جادو سکھا دیا بلکہ اسے کفر کا مظہر بنا دیا۔ ہر طرف فتنوں کی فریادیں برپا ہیں۔ اے مشرقی انسان، مغربی راہزن سے یہ شمشیریں چھین لے۔ تو روح اور جسم کے تقاضے جانتا ہے۔ مغربی لادین تہذیب کا جادو توڑ ڈال۔ مغرب کے بدن میں مشرقی روح پھونکنا چاہئیے تاکہ وہاں کے علوم و فنون قفل معانی کی کلید بن سکیں۔ عقل، حکم دل کی تابع ہو، تو اس میں شان یزدانی آتی ہے۔ یہ دل سے آزاد ہو، تو شیطان کی مظہر بن جاتی ہے۔

اوپر کا پیرا گراف دراصل ذیل کے اشعار آبدار کا قلم برداشتہ

ترجمہ تھا :

هرچه می بینی ز نوار حق است
 حکمت اشیا ز اسرار حق است
 هرکه آیات خدا بیند حراست
 اصل این حکمت ز حکم نظر است
 بنده مومن ازو بهروز تر
 هم بحال دیگران دل سوز تر
 علم چون روشن کند آب و گلش
 از خدا ترسنده تر گردد دلش
 علم اشیا خاک مارا کیمیا ست
 آه ، در افرنگ تاثیرش جداست
 عقل و فکرش بر عیار خوب و زشت
 چشم او بر نم ، دل او سنگ و خشت
 علم ازو رسواست اندر شهر و دشت
 جبرئیل از صحبتش ابلیس گشت
 دانش افرنگیان تیغی بدوش
 در هلاک نوع انسان سخت کوش
 باخسان اندر جهان خیر و شر
 درسازد مستی علم و هنر
 آه از افرنگ و از آئین او
 آه از اندیشه لادین او
 علم حق را ساحری آموختند
 ساحری نه ، کافری آموختند

۱۳۳

ہر طرف صد فتنہ می آرد نفیر

تیغ را از پنجهٔ رهن بگیر

اے کہ جاں را باز می دانی زتن

سحر این تہذیب لادینے شکن

روح شرق اندر تنش باید دمید

تابگرد قفل معنی را کلید

عقل اندر حکم دل یزدانی است

چوں ز دل آزاد شد شیطانی است

یکم جنوری ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال کا نئے سال کا جو پیغام

لاہور ریڈیو سٹیشن سے نشر ہوا تھا ، وہ بھی ان کی اس آرزو کا

مظہر ہے کہ عالم انسانی علوم و فنون کی وہ نہاد فراہم کرنے پر

متوجہ ہو جسے دین اسلام نے فراہم کیا ہے (۲۳) یا کم از کم وہ منہاج

ایسی ہو جس میں انسانوں کے ساتھ دل سوزی اور نرمی و رافت

کارفرما نظر آئے ۔ ” صرف ایک اتحاد قابل اعتماد ہے اور یہ انسانوں

کے بھائی چارے کا اتحاد ہے جو نسل ، قومیت رنگ یا زبان سے بالاتر

ہے ۔ جب تک نام نہاد جمہوریت ، ملعون قومیت اور بدنام ملوکیت

کا استیصال نہ ہو ، جب تک تمام انسان اپنے اعمال سے

”الخلق عیال اللہ“ کی حکمت نہ جانیں ، جب تک نسل ، رنگ اور

جغرافیائی قومیت کے امتیازات مکمل طور پر محو نہ ہوں ، اس وقت

تک انسان ایک پر مسرت و اطمینان کی زندگی نہ گذار سکیں گے ۔

اور اخوت ، حریت اور مساوات کے حسین تصورات کبھی جامہ عمل نہ

پہن سکیں گے ۔ اس لئے آئیے ہم نئے سال کا آغاز اس دعا و تمنا کے

ساتھ کریں کہ خدائے تعالیٰ صاحبان طاقت و اقتدار کو احترام

منابع اور حوالے

- ۱۔ یعنی لیگ آف نیشنز
- ۲۔ قرآن مجید بالترتیب ۳۰ : ۲ اور ۳۶ : ۲
- ۳۔ نظم شاعر بانگ درا حصہ اول
- ۴۔ مثنوی رموز بیخودی : پیشکش ...
- ۵۔ بال جبریل حصہ غزلیات
- ۵۔ بال جبریل حصہ غزلیات (۲) اور نظم زمانہ
- ۶۔ اسلام لشمق اور ان کے دو مقالے وہ مسلم معاشرے کی اصلاح ، اور ہمارا فکری بحران ، یزبان ترکی تواتر سے شائع ہوتے رہے ہیں ۔
- ۷۔ Islamization of Knowledge
- ۸۔ اللہ کی بادشاہت (اردو ترجمہ ، مسلم معاشرے کی اصلاح) ، لاہور (مکتبہ تعمیر انسانیت) س ن صفحہ ۶۰ (یہ کتاب ۱۹۵۰ء کے لگ بھگ شائع ہونے کے قرینے موجود ہیں) ترجمہ از سید ہاشمی فرید آبادی ۔
- 9۔ Charles Darwin
- 10۔ Sigmund Freud
- 11۔ Karl Marx
- ۱۲۔ اشارہ یہ قرآن مجید آیہ ۷۶ سورہ ۷۶ ۔
- ۱۳۔ دیکھئے ان کی ڈائری Stroy Reflections صفحہ ۳۰ لاہور ۱۹۶۱ء ۔
- ۱۴۔ مثنوی اسرار خودی ، کلیات اقبال ، فارسی طبع لاہور ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۸
- ۱۵۔ لطیف احمد شروانی Speeches , Statement , and Writings of Iqbal طبع سوم ۱۹۴۴ء ، (اقبال اکادمی پاکستان) لاہور صفحہ ۲۳۸ ۔
- ۱۶۔ شیخ عطاء اللہ ، اقبال نامہ جلد دوم لاہور ۱۹۵۱ء صفحہ ۲۸۲
- ۱۷۔ Iqbals Educational Philosophy لاہور اشاعت ۱۹۴۱ء صفحہ ۱۳۱ ۔
- ۱۸۔ دیکھیں پیام مشرق کی پیشکش میں یہ شعر : گفت حکمت را خدا خیر کبیر ، الخ ۔
- ۱۹۔ قرآن مجید ۲۶۹ : ۲ ۔
- ۲۰۔ جاوید نامہ : مناجات ، آشکارا می شود روح حضرت رومی و
- ۲۱۔ خوار ہوا کس قدر آدم یزدان صفحات قلب و نظر پر گراں ایسے جہاں کا ثبات کیوں نہیں ہوتی سحر حضرت انسان کی رات
- ۲۲۔ ارمغان حجاز ، کلیات اقبال اردو لاہور ۱۹۴۳ء صفحہ ۶۶۳ ۔
- ۲۳۔ جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا ضرب کلیم ، کلیات اقبال ، اردو صفحہ ۵۳۱
- ۲۴۔ حوالہ بالا ۱۵ : صفحہ ۲۵۱ ۔